مطبوعات

اسلام میں حریت، مساوات، اخوت تالیف جناب خواجہ عباد اللہ صاحب اختر۔ شائع کردہ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور۔ قیمت عہ روپیہ۔

یہ ایک مختصر کتاب بڑے اچھے کاغذ پر خوبصورت ٹائپ سے چھاپی گئی ہے۔ ہم پوری طرح یہ نہیں سمجھ سکے کہ کتاب کا مرکزی مقصود کیا ہے؟ مؤلف کی فکر صاف اور سلجھی ہوئی نہیں ہے۔ مثلاً مؤلف کا نظریۂ قانون یہ ہے کہ "رسم و رواج میں آہستہ آہستہ تقدیس کا رنگ نمایاں ہو جاتا ہے اور ان کی معقولیت اور نامعقولیت کا خیال تک نہیں ہوتا۔ بس انہی کو بعد میں "مذہبی فرائض" سے تعبیر کر دیا جاتا ہے"۔ یہ نظریۂ قانون ان لوگوں کا ایجاد کردہ ہے جنہوں نے تاریخ کو الحاد کی مادّی عینک لگا کر پڑھا ہے۔ اس نظریہ کی تعلیم دینے کے لئے ہمارے نئے مغربی علماء کافی بھی تھے اور ماہر تر بھی۔ آخر ایک "ادارۂ ثقافت اسلامیہ" اس مقصد کے لئے وجود میں لانے کی کیا ضرورت تھی؟ "مذہبی حس" کے متعلق بھی مؤلف کا نظریہ یہ ہے۔ کہ رسم و رواج کے خلاف عمل کرنے سے آدمی ہم چشموں کی نظر میں بھی گر جاتا ہے، اور ان رسوم میں مذہبی تقدس محسوس ہونے کی وجہ سے ضمیر بھی اسے ملامت کرتا ہے۔ پس وہ یقین کرتا ہے کہ دنیا و آخرت میں وہ عذاب میں مبتلا ہو جائے گا۔ اور اس عذاب سے بچنے کے لئے وہ خیرات و صدقات کرتا ہے۔ پھر اسی مذکورہ بالا نظریۂ قانون کی حقیقت سمجھانے کے لئے اختر صاحب فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص تمدن سے کنارہ کش ہو کر جنگلوں، پہاڑوں میں جا بسے، تو وہ حکومتی اور مذہبی قانون کی پابندی کا مکلف نہیں رہتا اور نہ اس پر کسی کا کوئی حق ہوتا ہے اور نہ کسی دوسرے پہ اس کا۔ یہ باتیں اگر اسلام کو درکنار رکھ کر کی جائیں تو ہمیں ان سے کوئی بحث نہیں، لیکن اگر اسلام کو مداخلت کی اجازت ہو تو پھر ہم عرض کریں گے یہ نقطۂ نظر سخت گمراہ کن ہے۔ انسان موجودہ دور میں تو ریاست کے تسلط اور مطالبات سے بھی کسی جنگل اور پہاڑ میں آزاد نہیں ہو سکتا۔ لیکن خیر اگر آپ اسے قوانینِ حکومت سے بالاتر بھی قرار دے رہے ہوں، تو کم سے کم اسلامی نظامِ حقوق سے وہ مستثنیٰ نہیں ہے۔ سب سے پہلے تو اس کے خدا کے حقوق ہیں جو مجرد وجود پانے ہی سے اس پر

عائد ہو جاتے ہیں اور اس کے لئے لازم ہو جاتا ہے کہ وہ ان کو جانے، ان کو سمجھے اور ان کو ادا کرے۔ پھر بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی کہ وہ خدا کے حضور خراج عبادات ادا کرے۔ بلکہ اُس نے جو قوتیں اپنے رب کی طرف سے امانتہً پائی ہیں اُن قوتوں کا شکر ادا کرنے کے لئے انکو بنی نوعِ انسان کی فلاح کے لئے ایسی تمام صورتوں میں استعمال کرنا واجب ہے جو اللہ کے دین نے بتائی ہیں۔ دماغ ہے، زبان ہے۔ ہاتھ پاؤں ہیں، ہنرمندی ہے —— ان سب قویٰ اور اعضا اور صلاحیتوں کے بارے میں خدا کے دین کے کچھ مطالبات ہیں۔ اور جب تک خدا ہی کے قانون کی رُو سے جائز وجہِ عذر موجود نہ ہو ان مطالبات سے سرتابی کرنا روا نہیں۔ آخر خلافت کا بارِ امانت اٹھائے ہوئے اسے غار کر جنگل پہاڑ میں جا چھپنے کے لئے کوئی مضبوط اعتذار ہونا چاہیئے پھر بات خدا ہی کے حقوق تک محدود نہیں، اسلامی زاویۂ نگاہ سے انسان کا ایک ماں کے پیٹ میں پرورش پانا اور ایک خاندان میں پلنا سوسائٹی کے اتنے ادارات ورمعاشرے کی اتنی خدمات کا شرمندۂ احسان ہوتا ہے کہ اس کے بعد وہ اگر تمدن کی زنجیریں تڑا کر جنگلوں، پہاڑوں کی طرف بھاگ نکلتا ہے تو وُہ اپنے اسی اقدام سے بے شمار حق ماریاں کر چکتا ہے۔ وہ اگر قلۂ کوہ پر جا کر دھونی رماتا ہے تو اُس کی حیثیت خدا ہی کے نہیں بلکہ بندوں کے بھی چور اور حق مار کی سی ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ نبی صلعم نے متاہل زندگی کو "سنتی" فرمایا اور اسے ترک کرنے والوں کو "لیس منی" جیسے سخت الفاظ کی وعید سنائی پھر لوگوں سے اختلاط کرنے والوں کو آپ نے خلوت پسندوں کے مقابلے میں زیادہ قابلِ قدر قرار دیا۔ اسلام نے استثنیٰ اگر دیا تو صرف ایسے لوگوں کو جو مسلم بن کر جینے کے لئے ایک ایسا ناسازگار ماحول اپنے گرد پائیں جسے وہ بدلنے کے لئے کچھ بھی نہ کر سکتے ہوں نیز جس سے نکلنے کے لئے ہجرت کا دروازہ بھی کھلا نہ پائیں، اور اصحاب کہف" جیسی مقدس ہستیوں کی طرح نظامِ تمدن کے باہر کسی گوشے میں پناہ لینے پر مجبور ہو جائیں۔ مگر ایسے اصحاب بھی شریعت سے بالکل بے نیاز نہیں ہو سکتے۔ اُن کے دماغ بہرحال کام کریں گے اور دماغی تحریکات کے لئے بھی شریعت کے کچھ قوانین ہیں۔ ان کو اپنے جسموں سمیت جینا ہوگا اور جسموں کے بھی کچھ واجبات ہیں ان کو جانوروں، پرندوں اور نباتات سے واسطہ ہوگا۔ اور ان پر تصرف کرنے کے لئے بھی کچھ حدود ہیں ان کو کسی خاص جگہ رہائش رکھنی ہوگی اور قیامگاہ کے لئے بھی کچھ طور طریقے ہیں۔ ان کو ستر پوشی بھی کرنی ہوگی اور ستر پوشی کے لئے بھی کوئی آئین ہے۔ ان پر کبھی نہ کبھی متمدن انسانوں کا گزر ہو سکتا ہے اور بھولے بھٹکے مسافروں کو ان سے

سابقہ پیش آسکتا ہے۔ ان کے بھی کچھ حقوق ہیں۔ وہ اگر اپنی ضروریات کے لئے بکریاں پالیں گے تو ان بکریوں کے بھی حقوق عائد ہوں گے۔ اور اگر وہ قصاب کو بیچ جائیں تو اسلامی حکومت ان سے زکوٰۃ وصول کئے بغیر نہ رہیگی نجانے کس طرح یہ نظریہ بیان فرما دیا گیا کہ جو کوئی جنگل میں جاتا ہے وہ قانونِ حکومت کے ساتھ ساتھ قانونِ اسلامی سے بھی کلیتہً بری الذمہ ہو جاتا ہے۔ اور کسی کا کوئی حق اس پر نہیں رہتا۔

پھر مؤلف فرماتے ہیں کہ اگر ایک معاشرے میں تمام کے تمام افراد بہ رضا و رغبت باہمی حقوق کا احترام کرنے لگیں تو ادارۂ حکومت کی ہر نوعیت کا خاتمہ ہو جائے گا۔ اسلام کی رُو سے یہ بھی غلط تصور ہے۔ حکومت جس تنظیم معاشرہ کا نام ہے بلاشبہ اس کا ایک بہت ہی بڑا مقصود توازنِ حقوق قائم کرنا ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ بعض امور جو اجتماعی نظم کے ذریعے سرانجام پا سکتے ہیں، ان کی ضرورت بھی اُس کے وجود کا باعث ہوتی ہے۔ مثلاً رفاہ عام کے اجتماعی کام، دفاع کا اہتمام، اور سب سے بڑھ کر ساری دنیا میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی مہم برپا کرنے کی ذمہ داری!

مؤلف نے "سبعاً من المثانی" کی بڑی "ترقی پسندانہ" تعبیر فرمائی ہے۔ یعنی آپ کے نزدیک توحید[۱] کو ماننا شرک[۲] سے بیزاری۔ قتل[۳] سے اجتناب۔ جھوٹ[۴] سے پرہیز۔ چوری[۵] سے اتقاء۔ بے حیائی[۶] سے دوری۔ دوسروں[۷] کی حق تلفیوں سے پاکدامنی۔ وہ سات[۱] احکام شرعی ہیں جن کو "سبعاً من المثانی" کہا گیا ہے لیکن "ترقی پسندی" اور "اجتہاد" کی تکمیل تو اس ارشاد سے ہوتی ہے کہ:-

"یہ احکامِ شریعت جنہیں لسانِ قرآن میں "صلوٰۃ" اور "زکوٰۃ" سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو تمام دنیا کی قوموں کے آئین و قوانین کی بنیاد ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔"

الفاظ نہیں ملتے کہ کما حقہٗ اس تحقیق کی داد دی جائے۔

جناب مؤلف نے "ان یشاء یذھبکم و یأتِ بخلقٍ جدید" الخ۔ کا ترجمہ یوں فرمایا ہے کہ "جب بھی اللہ چاہے لے جائے تم کو اور نئی پیدائش میں لائے (جس کی نسبت نہیں مایوسانہ شک و شبہ ہے) اور یہ امر اللہ پر کچھ مشکل نہیں (اس خلق جدید میں)، اگر کوئی کسی کو خواہ وہ اس کا قریبی ہی کیوں نہ ہو، اپنا بوجھ اٹھانے کے لئے

---

[۱] اس سے پہلے تو نو یا دس احکام معروف تھے۔ اب یہ سات رہ گئے۔

کہیے تو وہ بالکل نہیں اُٹھائے گا۔

سبحان اللہ! جزاکم اللہ! ——— مؤلف کے نزدیک آیت کا موضوع ارتقاء ہے یعنی اب تم جس حالت میں ہو اس سے نکال کر اللہ تم کو ایک ایسی ترقی یافتہ حالت میں لانے والا ہے جس میں ہر ایک کو اپنی ضروریات کے لئے خود محنت کرنی ہوگی۔ اور کوئی کسی کا ملازم، مزدور اور قلی نہ رہے گا! مگر مؤلف فرماتے ہیں کہ سر دست اس موضوع پر بحث کی ضرورت نہیں۔ کیونکہ یہ منزل ابھی بہت دور ہے۔

مؤلف نے "کان الناس امۃً واحدۃ فاختلفوا" اور اسی مضمون کی دوسری آیات میں لفظِ اختلاف سے مرادِ نظامِ زندگی کا "ثبوت (church) اور ملوکیت" (State) میں تقسیم ہونا لیا ہے نیز "کان الناس امۃ واحدۃ" کی روشنی میں آپ فرماتے ہیں کہ ابتدائی دورِ انسانی وحدت و امن کا مظہر تھا۔ اور حکومت اور حکومت کے وضع کردہ آئین و قوانین محض انسانی صنعت ہیں۔

آگے چل کر قرآن کی حقیقت کی نقاب کشائی یوں فرمائی ہے کہ:

"قرآن توراۃ یا کسی اور دھرم شاستر یا ضابطۂ آئین و قوانین کی طرح کتابِ احکام نہیں لیکن جامع و مانع کتاب اصولِ احکام ہے۔ اور ان اصولوں کی تشریح کے لئے سات اصولی احکام ("سبعاً من المثانی") بیان فرماتا ہے جو خود غیر متبدل ہیں قرآن میں اصولِ ہدایات ہیں، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر جو ایامِ جاہلیت میں انبیاء کا کام تھا اب جمہور کی نمائندہ جماعت شوریٰ میں منتقل ہو گیا۔ اور یہ امر و نہی یعنی احکام سب وقتی اجتہادات ہیں۔ اور خارجی حالات کے مناسب بدلنے چاہئیں۔ ان کا مذکور خواہ احادیث میں ہے یا احکامِ خلفاء ہیں۔ یا اجتہادات فقہاء ہیں، کوئی مستقل شریعت اسلامی نہیں ہے۔

کتاب میں اگرچہ بعض جگہ اچھی اچھی باتیں ہیں۔ لیکن اس کا مرکزی مزاج مذکورہ بالا اقتباسات سے نمایاں ہو جاتا ہے۔ مؤلف سائنٹیفک طریق پر خیالات کو مرتب نہیں کر پائے بلکہ ادھوری ادھوری متفرق باتیں ایک خاص اسلوب سے لکھتے جاتے ہیں۔ اور لکھنے کا انداز بھی کمزور ہے کیونکہ صلہ موصول اور شرط و جزا کا ربط جا بجا گنجلک ہو جاتا ہے۔

سبیل الرشاد مؤلفہ: جناب ابوالحسن صاحب کلامی قیمت نامعلوم پبلشر نامعلوم۔

یہ رسالہ دستور ساز اسمبلی پاکستان کے لئے ایک میمورینڈم کے طور پر لکھا گیا ہے اور اس میں اسلامی دستوریات کو اصولی حد تک پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مرکزی فکر اسلامی ہے، خاکہ کے بیشتر اجزا اسلام کے خلاف نہیں ہیں، لیکن مؤلف دستوریات کا مطالعہ نہیں رکھتے چنانچہ تحریر کا مزاج دستوری نہیں ہے۔

مؤلف کی تجویز کی رُو سے پاکستان کے اسلامی دستور میں پارٹی سسٹم کی گنجائش نہیں ہوگی۔ پارلیمنٹ کے ممبران کسی پارٹی کے ممبر نہ ہوں گے اور نہ پارلیمنٹ کے اندر ان کے لئے گروہ بندی کرنا جائز ہوگا۔ مرکزی پارلیمنٹ کی نامزد کردہ ایک اسٹیئرنگ کمیٹی مستقلاً موجود رہے گی۔ یہ کمیٹی حکومت کی جس کارروائی کو غیر اسلامی پائے اُسے روک دینے کے بعد پورا قضیہ پارلیمنٹ کے سامنے رکھ دے گی اور پارلیمنٹ کا فیصلہ صدر کے لئے واجب القبول ہوگا۔ کسی شخص کو صدر کے انتخاب کے لئے اُمیدوار بننے کی اجازت نہ ہوگی۔ صدر قابلِ عزل ہوگا۔ صدر کی مدد کے لئے مشیروں کی ایک کونسل ہوگی۔ پاکستان کی ولایت مشرقی اور ولایت غربی کے لئے صدر اپنے دو نائب مقرر کرے گا۔ صدر اور اس کے دونوں نائب اپنے لئے ایک ایک غیر مسلم مشیر مقرر کریں گے۔ ریاست کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ ہر مسلمان کو قرآن کی زبان سکھانے کا انتظام کرے۔ ریاست اور کاشت کار کے درمیان کوئی تیسرا واسطہ نہ ہوگا۔ حکومت شریعت کے حرام کردہ ذرائع سے کوئی آمدنی حاصل نہ کرے گی۔ حکومت معذور شہریوں کی کفیل ہوگی۔ ریاست کی پالیسی وطنیت اور قومیت کے مغربی اور غیر اسلامی تصورات سے بالاتر رہے گی۔ مسلم ممالک کے ساتھ برادرانہ تعلقات رکھنے کے لئے پاسپورٹ، تبادلے اور ٹیرف کی پابندیاں اڑا دی جائیں گی نیز ایک اسلامک انٹرنیشنل کونسل بنائی جائے گی۔

ان اشارات سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس دستوری خاکے کا مزاج کیا ہے۔

دستور پاکستان مرتبہ:۔ ادارۂ طلوعِ اسلام۔ کراچی۔ ناشر: میاں محمد امین الدین صاحب فیض باغ روڈ۔ لاہور۔ (قیمت نامعلوم)

اس پمفلٹ میں ایک ایسا دستوری خاکہ پیش کیا گیا ہے جو نبی صلعم اور آپ کے خلفائے راشدین سے کسی طرح کا استفادہ کئے بغیر "خالص قرآنی" نوعیت کا ہے۔ دستوری خاکہ ہی پیش نہیں کیا گیا بلکہ ایک نئی قرارداد مقاصد کا "قرآنی مسودہ" بھی درج کیا گیا ہے۔ اسلام اور دستوریات سے جو مذاق اس خاکے میں کیا گیا ہے، اس پر کسی لمبے چوڑے تبصرے کی گستاخی کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔

وحی منظوم

از، علامہ سیماب اکبر آبادی مرحوم۔

شائع کردہ، مکتبہ پرچم، پرچم اسٹریٹ، حسن علی آفندی روڈ۔ کراچی

ترجمہ و تفسیر قرآن کے میدان میں قرونِ اولیٰ سے لے کر اب تک برابر کاوشیں کی جا رہی ہیں اور کی جاتی رہیں گی۔ مختلف اسالیب سے، مختلف پہلوؤں سے اور مختلف طریقوں سے اس "ہدایت نامۂ انسانیت" کے حقائق و معارف کو امت کے دماغوں نے واضح کرنے کی جو سعی کی ہے وہ ہمیشہ ناتمام ہی رہے گی۔ کیوں کہ اس سمندر کی کوئی تھاہ نہیں ہے۔

لفظی ترجمے، بامحاورہ ترجمے اور ترجمانی کے مختلف انداز اختیار کر کے قرآن کے علما نے اپنے اپنے زمانوں میں قرآن کی خدمت کی ہے۔ از انجملہ بعض لوگ قرآن میں "فنی صناعت" دکھانے کی طرف بھی متوجہ ہوئے ہیں۔ مثلاً قرآن کی بے نقط تفسیر بھی لکھی گئی ہے۔ اسی طرح متعدد شعرا نے قرآن کا منظوم ترجمہ پیش کرنے کے لئے محنتیں کی ہیں۔

ہمارے سامنے وحی منظوم کے نام سے اس وقت علامۂ سیماب مرحوم کا لکھا ہوا انیسویں پارے کا ترجمہ ہے۔ جو آرٹ پیپر پر رنگین چھپائی سے پیش کیا گیا ہے۔

کون اس سے انکار کر سکتا ہے کہ سیماب دنیائے شعر و سخن میں بہت اونچا مقام رکھتے ہیں، اور کون یہ نہیں جانتا کہ انہوں نے ہر طرح کے موضوعات اور ہر طرح کے میدان ہائے فکر کو اپنی جولانگاہ بنایا ہے اور پھر جو کچھ لکھا ہے وہ ان کی قادر الکلامی پر ایک روشن شہادت ہے۔ اور کون یہ بدگمانی کر سکتا ہے کہ قرآن کی ترجمانی کرتے ہوئے انہوں نے نیت کی پاکیزگی کے ساتھ پورے پورے احساسِ ذمہ داری اور پورے پورے فنی اہتمام سے کام نہ لیا ہوگا۔ یہ مرحوم کی احتیاط پسندی ہے کہ اپنے منظوم ترجمے کو زیادہ تر لفظی

ترجمے کی حد میں رکھنے کی کوشش کی ہے۔

لیکن اگر قرآن شعر کے پیرائے میں اگر زیادہ موثر ہو سکتا تو یقیناً اس کا نزول نثر میں نہ ہوتا۔ قرآن بیک وقت ایک دعوت انقلاب، ایک فلسفہ حیات، ایک نظام اخلاق و معاشرت اور ایک ضابطۂ قانونی پر مشتمل ہے، اور اپنے موضوعات کے لحاظ سے ایسی چیز نہیں ہے کہ شعر کے سانچے میں ڈھل کر اپنے مقصد کو پورا کر سکے! قرآن کے مزاج اور شعر کے مزاج میں بڑا بُعد ہے! اگر قرآن کے مزاج اور اس کے مقصد کو مقدم رکھا جائے تو شعر کے تقاضے مجروح ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے اور شعر کے مزاج کو زیادہ اہمیت دی جائے تو قرآن کو اپنے مزاج پر قائم نہیں رکھا جا سکتا۔ آپ کتنے ہی محتاط ہوں شعر کے وزن اور اس کے قافیے کا اہتمام کرتے ہوئے اگر آپ لفظی و معنوی تحریف سے دامن بچا بھی نکلیں تو بھی اتنا تصرف ناگزیر ہے کہ قرآن نے جس چیز پر زور دیا تھا آپ کے ہاں وہ نرم انداز میں نظم ہو، اور قرآن نے جہاں زور نہیں دیا تھا وہاں بلا ضرورت زور پیدا ہو جائے۔ کہیں غیر ضروری الفاظ کا اضافہ اور کہیں سے ضروری الفاظ کا سقوط قرآن کی فطری فصاحت و بلاغت کو نقصان پہنچائے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ایک مسلم شاعر کے لئے خدمت قرآن کا زیادہ سے زیادہ میدان یہ ہو سکتا ہے کہ وہ قرآن کی دعوت اور قرآن کی حکمت کو سمجھ کر اور اس کو پوری طرح اپنا کر مختلف موضوعات کے تحت شعر کے پیرائے میں پیش کرے۔ اگر کوئی اس سے بھی آگے بڑھنا چاہتا ہو تو وہ یہ کر سکتا ہے کہ کسی سورت کو پڑھ کر جو تاثرات وہ اخذ کر سکا ہو، ان کو بالکل اپنے الفاظ میں لا کر نظم کے سانچے میں ڈھال دے۔ لیکن قرآن کا منظوم ترجمہ جتنی مفید خدمت ہو سکتی ہے اتنی ہی خطرناک بھی ہے۔

خود سیاب مرحوم جیسے قادر الکلام شاعر کا یہ منظوم ترجمہ دیکھ کر اندازہ ہوا کہ مرحوم نے ترجمہ کرنے میں جس احتیاط سے کام لیا ہے، اس نے کم سے کم منظوم ترجمے میں شعریت تو پیدا ہونے نہیں دی۔ پھر بسا اوقات ایک نئی بات جو ایک شعر کے مصرع ثانی سے شروع ہوتی ہے وہ دوسرے شعر کے مصرع اول کے نصف ٹکڑے میں آتی ہے اور دوسرے نصف ٹکڑے سے ایک نیا فقرہ شروع ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بعض مواقع پر قرآن نے جس چیز پر زور دیا تھا وہ اپنی جگہ سے ہٹ کر دوسری جگہ چلا گیا ہے یا سرے سے غائب ہو گیا ہے۔

علاوہ بریں بعض اور چیزیں جو کھٹکی ہیں وہ یہ ہیں:

"ایاك نعبد" کا مفہوم "بندگی" کا لفظ اپنے مروجہ معنوں میں ادا کرنے سے قاصر ہے۔ سورۂ کافرون درحقیقت "سورۂ کشمکش" ہے لیکن بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح سیماب مرحوم نے بھی ترجمہ ایسا کیا ہے کہ یہ "سورۂ رواداری" بن کر رہ گیا ہے۔ مختلف مقامات پر "کلا" کا ترجمہ "کچھ نہیں!" کیا گیا ہے، حالانکہ ہونا چاہیئے "ہرگز نہیں!" یہ کلمہ ہمیشہ کسی چیز کی تردید کرنے کے لئے آتا ہے اور بسا اوقات وہ چیز کلام ماسبق میں محذوف کر دی جاتی ہے جبکہ وہ نزول کلام کے وقت ماحول میں نمایاں طور پر موجود ہو۔ "ہرگز نہیں" کی جگہ اردو محاورے کے مطابق "جی نہیں" بھی مفہوم دے جاتا ہے۔ سورۂ تکاثر میں لتسئلن یومئذ عن النعیم کا ترجمہ "پوچھیں گے اس دن حقیقت نعمتوں کی تم سے ہم" اصل مدعا سے ہٹ گیا ہے۔ حقیقت پوچھنے کا یہاں کوئی محل نہیں، بات ہے حساب طلب کرنے کی: سورۂ بینہ میں "مخلصین له الدین حنفاء" کا مدعا تو ترجمہ میں آیا ہے مگر زور جس بات پر تھا وہ باقی نہیں رہا:-

حالانکہ حکم اور کچھ ان کو نہ تھا اس کے سوا یوں کریں وہ بندگی اللہ کی (صبح و مسا)

کہ وہ ہو خالص اسی کی بندگی، یکسوئی سے اور کریں قائم نماز اور دیں زکوٰۃ (اسکے لئے)

سورۂ علق میں "الذی علم بالقلم کا یہ ترجمہ کہ "وہ، سکھایا ہے قلم سے جس نے علم (اسکے سوا)" قابل غور ہے۔ ہماری رائے میں "اس کے سوا" کے الفاظ سے مدعا بالکل دوسرے راستے پر پڑ گیا ہے۔ اصل سورۃ میں جس علم کے لئے "اقرأ" کا حکم دیا جا رہا تھا بات اسی کی چل رہی ہے۔

سورۂ انشراح میں "ورفعنا لك ذكرك" کا مفہوم صحیح ادا نہیں ہو سکا: "اور تمہارے ذکر کو دیں رفعتیں (ہر ذکر پر)"۔ رفع ذکر کا مفہوم ہے کسی کا چرچا عام کر دینا! اسی طرح سورۂ ضحیٰ میں "وللآخرة خير لك من الاولى" میں تقابل دنیا و آخرت کے درمیان نہیں بلکہ سلسلۂ کلام صاف بتا رہا ہے کہ گفتگو تحریک نبوی کے ابتدائے کار کی اور اس کے مستقبل کی ہے۔

هل فی ذلك قسم لذی حجر؟ (الفجر) کے زوردار استفہامیہ انداز سے قطع نظر کر کے ترجمہ یوں کیا گیا ہے: "ان میں کافی قسمیں ہیں ارباب دانش کے لئے!" "وما نقموا منهم.... (البروج) کے لفظ انتقام کا مفہوم "عوض لینے" سے ادا نہیں ہوتا۔ شعری پابندیوں کی وجہ سے ترجمہ میں جو جھول رہ ہی جاتا تھا وہ تو ہے، لیکن وحی منظوم کا جو پارہ ہمارے سامنے ہے اسے دیکھ کر اطمینان ہوا کہ سیماب مرحوم دور حاضر کے تفسیری فتنوں سے بچے ہوئے ہیں۔ قرآن کو شاعر ہونے کے باوجود انہوں نے اپنا کھلونا نہیں بنایا۔